صبر کے ساتھ اللہ پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھیں
اللہ آپ کے توکل کو کبھی پھلوں سے محروم نہیں فرمائے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 رستمبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۳﴾ (ابراہیم: 12-13)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات جن کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے سورۂ ابراہیم کی بارہویں اور تیرہویں آیات ہیں ان سے متعلق جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے صبر کے مضمون کے بیان کے وقت میں نے پہلے بھی خطبہ دیا ہے یعنی ایک خطبے میں ان کا ذکر کیا تلاوت بھی کی لیکن آج جس غرض سے میں نے تلاوت کو دہرایا ہے وہ مضمون صبر ہی کا ہے مگر اس کے بعض مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ ان کے پیغمبروں نے انہیں کہا کہ یہ سچ ہے کہ ہم تمہاری طرح ہی کے بشر ہیں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لیکن اللہ کی مرضی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس

کو پسند کر لیتا ہے اور چن لیتا ہے۔ کس غرض سے یَمُنُّ، احسان کرنے والے کے لئے یعنی خدا کا انتخاب احسان کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا، یہ بحث نہیں کی جا سکتی کہ اسے کیوں چنا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں بھی ان بحثوں کو رد فرمایا ہے کہ کسی کا کوئی حق نہیں کہ یہ پوچھے کے اس کو کیوں یہ دیا گیا اس کی حکمت یہ ہے کہ فی ذاتہٖ کوئی انسان بھی کسی منصب کا مستحق نہیں ہے اور جسے اللہ چاہے وہ احسان کے طور پر اسے چنتا ہے اور جسے اللہ چاہے وہ مستحق ہو جاتا ہے پھر وہ مٹی بھی ہو تو اس سے آدم پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جو بہت گہرا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر چہ ہمیں خدا کے انبیاء بہت بلند مرتبہ دکھائی دیتے ہیں اور یہ دلیل قائم کی جا سکتی ہے کہ خدا نے ان کی عظیم شان کے پیش نظر، ان کی اعلیٰ صفات کے پیش نظر ان کو چنا لیکن ایک اور دلیل بھی ہو سکتی ہے کہ خدا نے چنا اور مٹی سونا بن گئی، خدا کی نظر التفات پڑی تو کچھ سے کچھ ہو گئے۔ انبیاء اپنے متعلق یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ انبیاء کے پیرو پہلے نظریہ کے قائل ہوتے ہیں مگر انبیاءؑ خود جب اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو کچھ بھی نہیں پاتے پس یہاں جو یَمُنُّ کا لفظ ہے یہ بہت ہی اہم چابی ہے اس مضمون کو سمجھنے کے لئے کہ اللہ کی مرضی ہے ہم بھی تو تمہارے ہی جیسے انسان تھے مگر وہ جسے چاہتا ہے احسان کے لئے چن لیتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یہ مضمون اس تشریح کو، اس تفسیر کو تقویت دے رہا ہے۔ خدا کے بندے، سچے بندے، عاجز بندے جب انہیں کوئی منصب عطا ہوتا ہے تو یہ نہیں کہتے کہ ہماری خوبیوں کی وجہ سے، ہماری صلاحیتوں کی وجہ سے یہ منصب عطا ہوا تھا بلکہ ہم بھی تو تم ہی جیسے تھے کوئی فرق نہیں تھا۔ اس میں ان کی انکساری اس مضمون کو ایسے رنگ میں بیان کر دیتی ہے کہ بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ انکساری میں بھی مبالغہ کیا جا رہا ہے ورنہ انبیاءؑ کی پہلی حالت جبکہ ان کو منصب عطا نہیں ہوتا اس حالت سے مختلف ہوتی ہے جو قوم کی حالت ہو اور بہت نمایاں مختلف ہوتی ہے مگر انبیاءؑ کی انکساری میں بھی کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ وہ اپنی پہلی حالت کو بھی اللہ کا احسان سمجھتے ہیں اور یقین جانتے ہیں کہ وہ حالت ان کو خدا سے اس لئے عطا ہوئی کہ ان سے خدا نے بڑے بڑے کام لینے تھے اگر ان کو وہ احسان والی حالت پہلے عطا نہ ہوئی ہوتی تو آئندہ مناصب کے لئے وہ موزوں ثابت نہ ہوتے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے (درثمین: 36)

یہ وہ مضمون ہے جس پر انبیاءؑ کی نظر ہوتی ہے۔ پس لوگ خواہ کسی معنوں میں بھی ان کا مرتبہ دیکھیں وہ اپنے مرتبے کو سب سے زیادہ پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مِنْ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ کا احسان ہے اور جو کچھ ہمیں عطا ہوا خدا ہی کی طرف سے عطا ہوا، منصب سے پہلے بھی اسی کی طرف سے عطا ہوا، منصب کے بعد بھی اسی کی طرف سے عطا ہوا۔ اس کے بعد جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ کر کے دکھاؤ تو کہتے ہیں ہم میں تو طاقت نہیں ہے۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہم تم پر فوقیت رکھتے ہیں کب دعوے کئے تھے کہ غیر معمولی طاقتوں کے حامل ہیں تو ہم سے کیا مطالبہ کرتے ہو مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ جس نے چنا ہے جس نے منصب عطا کیا ہے اسی کا کام ہے وہ سلطان دے تو دے ہم دکھائیں گے ورنہ خالی ہاتھ ہیں۔

پس دیکھیں اس تفسیر کو قرآن کی یہ آیت اپنی ذات ہی میں کس طرح تقویت دے رہی ہے ایک طرف ایک پہلو بیان ہوا ہے دوسری طرف اس کے حقیقی معنوں کو تقویت دینے والا دوسرا پہلو بھی بیان فرما دیا گیا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اللہ ہی پر مومن توکل کرتے ہیں۔

توکل کا مضمون بھی اس آیت کے حوالے سے ایک اور شان سے ہمیں سمجھ آتا ہے اللہ کے نبی کہہ رہے ہیں قوم سے کہ ہم خالی ہاتھ تھے، ہمیں خدا نے احسان کے طور پر چنا ہم اس بحث میں تم سے نہیں الجھیں گے کہ تم سے بالا ہم میں کیا خوبی تھی جب اس کی نظر پڑی ہم روشن ہو گئے جیسے سورج کی شعائیں خواہ کیسی ہی تاریک اور سیاہ چیز پر پڑیں تو اس کو روشن کر دیتی ہیں تو ہم نے تو اللہ کے نور سے سب فیض پایا ہے، اسی نے ہمیں چنا اسی نے ہمیں روشن کیا اور ہمارے پاس ذاتی طور پر کچھ نہیں تھا پس تم جو یہ مطالبے کرتے ہو کہ یہ کر کے دکھاؤ اور وہ کر کے دکھاؤ یہ ہمارے دعویٰ کے برعکس ہیں۔ ہم تو یہ دعویٰ کرتے ہی نہیں لیکن یہ جانتے ہیں کہ جس نے چنا اس نے ہر ضرورت پوری کی۔ یہ جانتے ہیں کہ اس نے پشت پناہی فرمائی اور غیر کے مقابل پر بڑی قوت اور شان کے ساتھ پیچھے کھڑا ہوا ہے اور مجال نہیں کسی مخالف کی کہ ہمیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے، اس کا کوئی بدارادہ کامیاب نہیں ہونے دیا۔ پس یہ ہماری طاقت سے نہیں تھا، یہ جانتے ہوئے کہ ہم کچھ نہیں ہیں پھر جو کچھ ہم نے پایا ہے یہ اس

مضمون کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ ہی پر توکل ہونا چاہئے اور اسی پر ہمارا توکل ہے اور یہاں توکل کے مضمون میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سب مومنوں کو شامل کر لیتے ہیں جہاں تک نبوت کا مضمون تھا وہ اس سے پہلے گزر گیا اس میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ تنہا تھے کیونکہ آپؐ ہی کو چنا گیا لیکن جب توکل کا مضمون ہے تو انبیاء میں جو الٰہی تائیدات دیکھنے والے مومن ہیں ان کو توکل عطا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب تک ہم اس کے ساتھ ہیں خدا ہمارے ساتھ ہے کیونکہ اس کے ساتھ یقیناً خدا ہے، وہ توکل جو ہے وہ ہمیں عطا ہوا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ پس مومنوں کو چاہئے کہ اسی خدا پر توکل رکھیں اور توکل جاری رکھیں جس خدا نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی بے شمار اور لامتناہی تائیدات کے ذریعے ثابت کر دیا کہ آپؐ کا توکل صرف خدا پر تھا۔

پھر اسی مضمون کو اسی طرح جیسا کہ پہلی آیت اپنی ذات میں شہادت رکھتی تھی کہ جو مضمون بیان ہو رہا ہے اسی طرح ہے۔ قرآن کی طرف کوئی بیرونی بات منسوب نہیں ہو رہی، خود قرآن پیش کرتا ہے، اس کے دلائل قائم کرتا ہے۔ اگلی آیت اسی توکل کے مضمون کو لے کر آگے چلتی ہے وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ہمارا ماضی گواہ ہے جب ہم جانتے ہیں کہ اس خدا نے ہمیں خود ہدایت کی راہیں دکھائی ہیں اور ان راہوں پر چل کے ہم نے کامیابیاں حاصل کی ہیں تو ہم پاگل ہو گئے ہیں وَمَا لَنَآ کا مطلب ہے ہم پاگل تو نہیں ہو گئے، ہمیں کیا ہو گیا ہے جو ہم پھر اس خدا پر توکل نہ کریں جو تمام ماضی میں ہماری پشت پناہی فرماتا رہا اور ہماری تائید کرتا رہا اور ہمیں ہدایت کی راہیں دکھاتا چلا گیا۔

یہاں صراط مستقیم کا ذکر نہیں ہے یہ یاد رکھنا چاہئے وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ہر مومن کو جو مشکل درپیش ہوتی ہے اس سے خدا نکالتا ہے یہ اصل بنیادی مضمون ہے جو یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ ہر مومن کی اپنی راہ ہے اپنی مشکلات کی، اپنی زندگی کی راہ ہے۔ کسی کی کچھ زیادہ کٹھن، کسی کی کم کٹھن مگر کسی مومن کی راہ آسان نہیں ہوتی مگر توکل کے ذریعے۔ ہر مومن کی راہ کو اللہ کا فضل ہی آسان فرماتا ہے۔ تو مومن کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی میں ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس پر جو خدا کا فیض نازل ہوا اس کی روشنی پھیل گئی اور ہم پر بھی وہ روشنی پڑی ہم پر بھی وہ

شعاعیں پڑیں اور ہم میں سے ہر ایک گواہ ہے کہ ہر مشکل کے وقت اللہ نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے، اسی نے ہماری تائید کی ہے۔ اس عظیم ماضی کو دیکھتے ہوئے ہم پاگل تو نہیں ہو گئے کہ اب توکل چھوڑ دیں۔ پس آئندہ بھی خدا ہی ہمیں کافی ہے جو پہلے وکیل تھا وہ اب بھی وکیل ہے اور وکیل بنا رہے گا۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا اب یہ جو توکل کے مضمون کی تیاری ہے اس نے صبر کے مضمون پہ پہنچا دیا۔ توکل کرنے والے جب توکل کرتے ہیں تو یہ مطلب نہیں کہ ابھی مشکل پڑی اور ابھی حل ہوگئی۔ جو یہ دیکھتے ہیں وہ توکل نہیں ہوتا وہ تو نقد نقد کے سودے کے عادی ہوتے ہیں۔ توکل میں صبر کا مضمون داخل ہے۔ توکل ایسے حالات میں کیا جاتا ہے جبکہ ظاہری طور پر کوئی مدد نہ دکھائی دے اور پھر انسان کو یقین ہو کہ ایسا ہی ہوگا اور ہو کر رہے گا۔ تو اللہ تعالیٰ توکل کے مضمون کو کس لطافت کے ساتھ گھیرتے ہوئے جیسے مومنوں کو ہدایت کی راہیں دکھاتا ہے، ان کے ذہنوں کو بھی ہدایت کی راہیں دکھاتا ہے اور ایک مضمون سے دوسرے کی طرف ہاتھ پکڑ کر لے جاتا ہے۔ فرمایا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا اب اس توکل کی تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ضرور صبر کرتے کیونکہ اس راہ میں صبر کا پھل ہمیشہ ہم میٹھا پاتے کبھی تکلیفوں پر صبر کرتے ہوئے ہم نے بدنتیجہ دیکھا نہیں ہے۔ اس لئے جو ''سبل'' کی طرف اشارہ تھا کہ سُبُلَنَا ہماری راہیں خدا کے توکل کی وجہ سے آسان ہوگئیں اس میں یہ بھی اب دینی جو تکلیف ہے اس کو نمایاں طور پر پیش فرما دیا گیا کہ مومنوں کی راہوں میں کچھ ذاتی مسائل بھی ہوتے ہیں، کچھ دینی مسائل بھی ہوتے ہیں اور یہ وہ راہیں ہیں جہاں دینی تکلیفیں ضرور ان کو پہنچتی ہیں اور ان تکلیفوں کے نتیجے میں صبر ان کو تقویت دیتا ہے اور توکل حوصلہ بخشتا ہے کہ نتیجہ بہر حال اچھا نکلے گا کوئی دنیا کی طاقت اس نتیجے کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ پھر دوبارہ دہرایا گیا، یہ کہنے کے بعد ہم ضرور صبر کریں گے اس پر جو تم ہمیں دکھ پہنچاؤ گے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ اس تکرار میں یہ حکمت بھی ہے کہ پہلا مضمون اگر ذاتی مصائب سے تعلق رکھتا تھا تو یہ دوسرا مضمون خالصۃً للہ اٹھائی جانے والی تکلیفوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جب خدا نے تمہاری ذاتی مسائل میں تمہیں نہیں چھوڑا، جب بھی تم نے صبر کیا اور اس پہ توکل کیا اس نے ہمیشہ تمہاری راہوں کو آسان کر دیا تو اب خدا کی خاطر اگر صبر کرتے ہوئے خدا کی خاطر تکلیفیں اٹھاتے ہو تو کیسے ممکن ہے

کہ وہ خدا اپنی خاطر تکلیفیں اٹھانے والوں کو چھوڑ دے، ناممکن ہے۔ پس اپنی ذات کے مسائل سے سبق لو ہمیشہ وہ تمہارے ساتھ غیر معمولی فضل کا سلوک فرما تا رہا ہے۔ ہر مشکل سے نکالنے والا وہی تھا۔ تو اب دین کی خاطر جو تم مشکل اٹھاؤ گے یا مشکل میں پڑو گے تو اس کا وہم بھی نہیں پیدا ہوسکتا کہ خدا جو تمہارے کاموں میں تمہارا مددگار تھا اپنے کاموں میں تمہارا مددگار نہ رہے۔ وہ تو بدرجہ اولیٰ تمہاری مدد کے لئے اترے گا۔ پس دینی معاملات میں بھی صبر ہی کی بدولت انسان توکل کے اعلیٰ مقام کو پہچان سکتا ہے۔ صبر اور توکل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ صبر نہ رہے تو توکل کی کمی کی نشاندہی ہوتی ہے اور توکل نہ ہو تو صبر نہیں ہوسکتا۔ یہ دو باتیں ایسی لازم و ملزوم ہیں کہ جب اس پر آپ مزید غور کریں تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمتیں بعض صفات کو بعض دوسری صفات سے باندھ دیتی ہیں، غور کر کے دیکھیں تو الگ ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ پس جہاں انسان اپنے مقصد کی کامیابی سے مایوس ہو جائے وہاں صبر نہیں رہتا، جہاں صبر رہے وہاں مقصد کی کامیابی پر یقین لازماً رہتا ہے کیونکہ بے مقصد صبر کوئی چیز نہیں ہے۔

صبر کے مضمون کے دوسرے پہلو مختلف آیات کے حوالے سے میں بیان کر چکا ہوں۔ یہاں اُذِيْتُمُوْنَا والے پہلو پر خصوصیت سے میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ صبر دکھوں پر بے چین نہ ہونا، ہمت نہ ہارنا، ایمان کو ہاتھ سے نہ کھو دینا اور یقین اور کامل یقین پر قائم رہنے کا نام ہے لیکن صبر کئی قسم کے ہیں۔ بعض صبر ایسے ہیں جن میں مجبوری ہے، دشمن دکھ دیتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں کوئی اختیار نہیں ہے، یہ بے اختیاری کا صبر ہے۔ اور یہ صبر اگر فضیلت بنتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ اس صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو ادا کیا جاتا ہے جبکہ عام حالات میں وہ بہت مشکل کام ہے۔ مثلاً ایک غریب آدمی اور ایک بے طاقت آدمی پر جب کوئی ظلم کرتا ہے تو بسا اوقات اور کچھ نہیں کر سکتا تو زبان سے گالیاں تو دے دیتا ہے، اتنا تو اس کا بس ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اچھا پھر جو کرنا ہے کرو یعنی ہم نے اپنا بدلہ اتار لیا جو ہم میں طاقت تھی اتنا تو کر دیا اور یہ صبر نہیں ہے یہ بے اختیاری ہے۔ مگر اگر گالی دینے کی طاقت ہے اور کوئی دکھ پہنچانے کی طاقت ہے اور خدا کی خاطر انسان رک جاتا ہے باوجود اس کے کہ عمومی غلبہ تو نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ دل کی بھڑاس نکالنے کی طاقت تو موجود ہے۔ وہاں انسان جب تالے لگا بیٹھتا ہے محض اس لئے کہ اللہ نہیں چاہتا تو یہاں دوہرے

صبر کی ضرورت ہے۔ ایک تکلیف میں پڑے ہوئے شخص کا واویلا نہ کرنا اس کے دکھ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ ماں جس کو بچے کا غم پہنچا ہوا گر وہ واویلا کرتی ہے شور مچاتی ہے تو کچھ نہ کچھ دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ لیکن اگر اپنی زبان پر تالے لگا لے اور للہ لگائے تو یہ کمزوری تو ہے مگر کمزوری میں بھی ایک شان پیدا کر دیتی ہے یہ بات۔ یہ وہ صبر ہے جو تعریف کے قابل ہے جس کے متعلق قرآن کریم بار بار مومنوں کو متوجہ کرتا ہے کہ صبر کو اختیار کرو۔ تو عجیب شان ہے قرآن کی، ایسی عظیم تعلیم ہے کہ ہماری بے اختیاریوں کو قابل تعریف بنا دیتا ہے ورنہ بے دین انسان کی بے اختیاری تو محض اس کی ذلت اور رسوائی کا موجب ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں مگر مومن جانتا ہے کہ اس بے اختیاری کے اندر ہی میری عظمت اور میری شان نمایاں ہے، جو میں کر سکتا تھا، خدا کی خاطر نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ میں زیادہ کی طاقت بھی ہوتی تب بھی میں اسی طرح کا سلوک کرتا۔ یہ گواہ ہے اس بات پر یہ صبر کہ مومن کو جب غلبہ نصیب ہوگا تو وہ کسی پہ ظلم نہیں کرے گا۔ مومن کو جب غلبہ نصیب ہوگا تو کسی سے وہ اپنے بدلے نہیں لے گا کیونکہ بدلے کی جس حد تک بھی اس میں طاقت تھی خدا کی خاطر وہ رک گیا تھا۔

پس صبر ایک عظیم تربیتی دور ہے جس میں سے مومن کو گزارا جاتا ہے اور صبر کے بغیر اعلیٰ اخلاق کی تربیت اپنے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ وہ قومیں جنہوں نے عظیم الشان کام سرانجام دینے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ انہیں صبر کے رستے سے گزارا جائے اور صبر ہی کا رستہ ہے جو تمام عظیم الشان نتائج پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم اسی مضمون کے متعلق فرماتا ہے۔ انبیاءؑ کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو امامت عطا کی، ان کو مہدویت عطا کی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ (السجدہ:24)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی۔ پس اس کی لقاء سے یعنی اللہ سے ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہو۔ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا موجب بنایا، ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ سورۃ انبیاء میں اسی مضمون کی

آیت سے پہلے پانچ انبیاءؑ کا اور ذکر ہے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ، ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام، ایک حضرت ہارون علیہ السلام، ایک حضرت اسحاق علیہ السلام اور ایک حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان سب کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ یہ نتیجہ نکالتا ہے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (الانبیاء:74)

ہم نے یہ جو لوگ ہیں جن میں سے بعض نبی ہیں جن کا ذکر کیا ہے بعض دوسرے تھے جن کا پہلے ذکر گزرا ہے ان میں سے نبی چنے ہیں اور ان نبیوں کو ہم نے کیا مقام بخشا۔ ان کو امام بنایا يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لیکن امام مہدیؑ بنایا کیونکہ وہ ہماری ہدایت سے آگے ہدایت دیتے تھے۔ ہدایت پا کر پھر ہدایت دینے والے کو مہدیؑ کہتے ہیں۔ اپنی طرف سے ہدایت دینے والے کو ہادی کہا جاتا ہے۔ تو فرمایا وہ تمام انبیاءؑ جن کا ذکر گزرا ہے وہ سب امام مہدیؑ تھے یعنی اللہ نے ان کو امام بنایا اور ان کو مہدیؑ بنا دیا، ہدایت دی تو اللہ سے ہدایت پا کر آگے لوگوں کو دی۔ کیوں کیا ایسا؟ سورہ السجدہ کی آیت نمبر 25 اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ فرمایا وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا یہ مرتبہ اور یہ مقام ان کو اس وقت عطا ہوا جب انہوں نے صبر کیا یا بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا ان کو یہ بلند مرتبہ عطا کیا گیا۔ تو مومن تو اپنی ذات میں خدا کے انعامات کا کوئی استحقاق نہیں پاتا خدا کے نبی سب سے زیادہ اپنی حقیقت کو سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ایک عجیب قانون چل رہا ہے وہ خود ہی نعمتیں عطا کرتا ہے اور ان نعمتوں کو بہانہ بنا دیتا ہے مزید نعمتوں کے لئے۔ صبر بھی اسی نے عطا کیا اور اس کی طاقت کے بغیر صبر ممکن نہیں ہے، اسی لئے قرآن کریم نے صبر کے ساتھ دعا کے مضمون کو ہمیشہ باندھا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ:46) صبر کے ساتھ اور صلوٰۃ کے ساتھ تم خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور سورہ عصر میں بھی نصیحت کے مضمون کے ساتھ صبر کو باندھا گیا ہے لیکن یہ سب اللہ کے احسانات ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے ورنہ جب ساری دنیا گھاٹے میں ہو تو کسے توفیق مل سکتی ہے کہ وہ صبر کے ساتھ خوبیوں پر قائم رہے تو جہاں ظاہر نہیں بھی کیا گیا وہاں مضمون کا نقشہ بتا رہا ہے کہ صبر کی توفیق اللہ کے احسان کے سوا مل نہیں سکتی۔ پس انبیاء تو اپنے آپ کو ہمیشہ خالی ہاتھ پاتے ہیں اور جو بھی نعمتیں ان کو عطا ہوتی ہیں جانتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے عطا ہوئی ہیں۔ مگر اللہ نے کچھ استحقاق کے قوانین بنا رکھے ہیں ان قوانین پر چلنے کی توفیق اسی سے

آتی ہے مگر چلتا تو کوئی ہے تب وہ انعام پاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ صبر کا پھل اتنا میٹھا، اتنا عالی شان ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے نبوت کے مراتب تک پہنچایا اور ان کے لئے چن لیا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اب یہاں صرف صبر کی خوبی کا بیان ہے اور کسی چیز کا نہیں۔ واحد وجہ ان کی صبر بیان فرمائی ہوئی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ صبر اللہ کی خاطر صبر تمام خوبیوں کا حامل ہوا کرتا ہے۔ بڑے بڑے امتحانات میں سے انسان گزرتا ہے، اگر للہ صبر کرتا ہے بہت بڑی نیکی ہے اس سے بڑی نیکی ممکن نہیں ہے اسی لئے حقیقت میں اس نیکی کا حق ادا کرنے والوں کو سب سے بلند مرتبہ عطا فرمایا گیا یعنی نبوت کا مرتبہ اور صبر کا ایک دوسرا معنی بھی اس میں پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جو نیکی اختیار کی اس کو چھوڑا نہیں۔ بہت مخالفانہ کوششوں کے باوجود، دکھوں کے باوجود، نیکیوں پر قائم رہے۔ جو خدا نے ہدایت دے دی اس ہدایت سے ٹلے نہیں یہ سب صبر کے اندر داخل ہیں۔ پس دیکھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ صبر کے مضمون کو اس شان سے بیان فرما رہا ہے کہ نبوت بھی صبر ہی کا پھل ہے۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے۔ آج کل جماعت احمدیہ جس دور میں سے گزر رہی ہے اس میں اس تکرار کی ضرورت ہے، بار بار دشمن کو یہ بتانے کی ضرورت ہے وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ہم ضرور صبر کریں گے اس پر جو ہمیں دکھ پہنچاؤ گے۔ تم سے خیر کی تو توقع ہی کوئی نہیں، دکھ تو تم نے پہنچانے ہی ہیں، پہلے بھی پہنچایا کرتے تھے اور جب ہم نے صبر کیا تو اللہ نے ہماری مشکل راہوں کو آسان کر دیا۔ پس آئندہ کے لئے خدا کی صبر ہی کی عطا ہے جو مزید انعامات کا موجب بن جائے گی، مزید انعامات کا ذریعہ بن جائے گی۔ صبر ہی کے ذریعے ہم نے پہلے اللہ کی عنایات کے پھل کھائے اگر چہ صبر خود بھی تو اللہ کی عنایت تھا۔ مگر آئندہ بھی ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں اے دشمن! کہ تم دکھ پر دکھ پہنچاتے چلے جاؤ ہم صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے۔ جب یہ دامن چھٹا تو ہر دوسرا دامن چھوٹ گیا کیونکہ جب صبر کا دامن چھوٹ جائے تو پھر انسان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں پھر وہ کہیں سے کہیں بدکتا ہوا دور سے دور تر ہوتا چلا جاتا ہے پس صبر پر قائم رہنا اور اس یقین کے ساتھ قائم رہنا کہ دشمن نے ایذاء رسانی ضرور کرنی ہے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو یہ بتانا کہ جو بس چلتا ہے کرتے چلے جاؤ ہم نے بھی صبر کو ایسی مضبوطی سے تھام رکھا ہے کہ کوئی

دنیا کی طاقت ہمارے ہاتھ صبر کے دامن سے چھڑا نہیں سکتی۔

اور وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ پہلی جگہ فرمایا تھا الْمُؤْمِنُوْنَ اب وہ مومنوں کا ذکر ہو گیا ان کو متوکل بنا دیا اب مومنوں کو متوکل کے طور پر پیش فرمایا ہے کہ مومنوں کی جماعت اور الْمُتَوَكِّلُوْنَ کی جماعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس توکل کرنے والے اللہ ہی پہ توکل کرتے ہیں کسی اور چیز پر توکل نہیں کرتے۔ تو جماعت احمدیہ کا بھی توکل خالصۃً اللہ پر ہے اور صبر کے ساتھ ہم اس توکل سے بھی چمٹے رہیں گے اور ہم نے اپنے ماضی کو دیکھا ہے دوسری مذہبی قوموں کے ماضی کو دیکھا ہے کبھی ایک بھی استثناء دکھائی نہیں دیتا کہ خدا کے بندوں نے اپنے انبیاءؑ سے صبر کا مضمون سیکھا ہو اور انبیاء کی طرح توکل کیا ہو اور پھر خدا نے ان کو چھوڑ دیا ہو۔ نبی کو تو صراط مستقیم عطا کی جس کے پیچھے یہ سب چلتے ہیں، اس کے ہر پیرو کو وہ سبل عطا کیں، وہ راہیں عطا کیں جو پگڈنڈیاں بھی ہیں، چھوٹی چھوٹی راہیں بھی ہیں، جن میں سے ہر راہ میں خدا ان کے ساتھ چلا کرتا تھا۔ کوئی راہ بھی ایسی نہیں تھی جس میں انہوں نے خدا کے ساتھ کے نشان نہ پائے ہوں پس جس کا ساتھی خدا ہو جائے وہ توکل کیوں نہیں کرے گا۔

اس میں دوسری حکمت کی بات یہ سمجھنے کے لائق ہے کہ وہ لوگ ہم میں سے جن کو یہ سبل عطا نہیں ہوئیں، جن کے اندھیرے وقتوں میں خدا ان کے ساتھ نہیں دکھائی دیتا، جو بعض دفعہ دل چھوڑ بیٹھتے ہیں اپنی ذاتی مصیبتوں میں اور مشکلات میں اور توکل سے کام نہیں لیتے ان کے لئے یہ معاملہ قابل فکر ہے۔ نہ وہ ان مومنوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی وہ صفات بیان کی گئیں، نہ ان الْمُتَوَكِّلُوْنَ میں جنہوں نے توکل کا پہلے پھل پایا تھا تب وہ توکل عطا ہوا جو عظیم تر توکل ہے، جو تمام دینی امور کے دکھوں پر بھی ان کا سہارا بن گیا۔ اس لئے ہر انسان کے لئے اس میں ایک یہ بھی سبق ہے، ہر مومن کے لئے جو مومن کہلاتا ہے کہ وہ اپنی راہوں پر نگاہ تو ڈال کے دیکھے کہ کیا اس نے صبر سے کام لیا تھا ہر مشکل کے وقت، توکل سے کام لیا تھا۔ یہ جو دیکھنا ہے اس کے لئے بہت گہری نظر سے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو سرسری طور پر اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیں گے اپنے حالات پر، تجارتی نقصان ہوا یا اور کئی قسم کی مشکلات درپیش ہوئیں، دعائیں کیں، اللہ نے کام کر دیا اور انہوں نے توکل کیا لیکن یہ حقیقت میں پوری تصویر نہیں ہے۔ مومنوں کے مختلف درجے ہیں بعض ایسے ہیں جو کھلم کھلا بے صبری نہیں

دکھاتے مگر باریک راہوں پر جو سبل کی باریک راہیں ہیں، جو باریک رستے کہلاتے ہیں ان میں آ کر وہ صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو دشمن کی ایذاء رسانی پر تو ثابت قدم رہتے ہیں مگر اپنوں کی ایذاء رسانی پر صبر نہیں دکھاتے۔

پس صبر کا مضمون اتنا آسان اور سیدھا مضمون نہیں ہے کہ ایک دو مثالیں اس کی آپ پر صادق آ جائیں تو آپ سمجھیں کہ آپ نے صبر کے امتحان پاس کر لئے ہیں۔ اس کے بہت سے درجے ہیں، بہت سے امتحانات ہیں اور بظاہر یہ الٹ بات ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ صبر وغیرہ کے مضمون میں بڑے امتحان پہلے انسان پاس کرتا ہے چھوٹے امتحان بعد میں درپیش آتے ہیں اور جتنے امتحان چھوٹے ہوتے چلے جائیں اتنے ہی مشکل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جتنی راہیں تقویٰ کی باریک ہوں اتنا ہی ان پر قدم مارنا اور ان پر اپنے توازن کو سنبھالنا زیادہ مشکل مسئلہ بنتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے وہ جو بڑی راہوں پر چلنے والے تھے شان سے، وہ چھوٹی راہوں پہ مارے جاتے ہیں۔ اس لئے اپنی باریک راہوں کا خیال کریں۔ تقویٰ کی باریک راہیں ہیں جہاں اصل امتحان اور مشکل امتحان درپیش ہوتا ہے۔ وہاں جو کامیاب ہو اس کو بڑے مرتبے ملتے ہیں۔ انہی میں سے پھر وہ انبیاءؑ ہیں جن کے متعلق اللہ فرماتا ہے لَمَّا صَبَرُوْا۔ ہم نے ان کو مہدویت اور امامت کے مقام تک پہنچا دیا۔ لَمَّا صَبَرُوْا جب ہماری نظر میں وہ صبر کرنے والے ثابت ہوئے۔

یہ جو راہیں ہیں ان کی روزمرہ کی جماعت میں مثال سامنے آتی ہے اور بعض ایسے جو دیکھنے میں بڑے بڑے سورما نظر آتے تھے، مخالفوں کے مقابل پر ڈٹے رہے، پاکستان کے حالات میں بھی مقابلے کئے لیکن میں نے دیکھا چھوٹی راہوں پہ آ کے مار کھا گئے اور اندرونی طور پر ناکام ثابت ہوئے اور بعض دفعہ جب ایسے امتحانات میں انسان ناکام ہو جائے تو پچھلے سارے امتحان بھی بے کار ہو جاتے ہیں کیونکہ الٰہی نظام امتحانات میں وفا لازم ہے اور آخر وقت تک ثابت قدم رہنا اور ہر امتحان میں کامیاب ہوتے چلے جانا ضروری ہے۔ اگر نہیں ہوئے تو استغفار کریں پھر امتحان دیں، اگر کامیاب نہ ہوئے اور آخری امتحان میں ناکامی کی حالت میں مرے تو پچھلی ساری نیکیاں باطل۔ اس لئے بہت ہی اہم مضمون ہے جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلا رہا ہوں۔ مثلاً باریک نظر سے اپنے جماعتی تعلقات میں ردعمل کو دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بظاہر بڑے بڑے صبر کرنے والے

کس طرح جماعتی معاملات میں صبر سے عاری ہو جاتے ہیں۔

اب مخالف کے دکھ پر صبر کرنا یہ دکھ بہت بڑا ہوتا ہے لیکن اس کے مقابل پر صبر نسبتاً آسان ہے کیونکہ کھلم کھلا فیصلہ ہے ایک انسان کو پتا ہے کہ اس کے بدلے مجھے ارتداد اختیار کرنا پڑے گا، خدا کا دامن چھوڑنا پڑے گا کھلم کھلا، اسے اپنی ہلاکت دکھائی دے رہی ہوتی ہے وہ پاگل تو نہیں ہو گیا کہ وہ اس امتحان میں ناکام ہو جائے۔ مگر جہاں ہلاکت ایسی واضح دکھائی نہیں دیتی جہاں اندرونی امتحانات ہوں وہاں بسا اوقات انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ماں باپ کے دکھوں پر بھی صبر کی تلقین فرمائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے کہ ماں باپ کے رشتے میں طبعی خونی تقاضا یہ ہے کہ بچہ باپ کی اطاعت کرے، ماں کی اطاعت کرے اور ان سے ادب کا سلوک کرے لیکن اللہ چونکہ انسانی فطرت کی باریکیوں پر نظر رکھتا ہے اس لئے جانتا ہے کہ انسان ایسی خود غرض چیز ہے کہ جتنے بھی احسانات ہوں اگر کسی ایک موقع پر احسانات میں کمی آ جائے یا وہ یہ سمجھے انسان کہ دوسرے پر زیادہ احسان کر دیا ہے مجھ پر کم کر دیا ہے تو ہر احسان کو بھلا کر سرکشی اختیار کر جاتا ہے اور ایسی سرکشی بسا اوقات خدا کے مقابل پر بھی ہو جاتی ہے۔ کوئی بیماری پڑی ہے جب تک بیمار نہیں تھا دوسروں کی بیماریاں دیکھیں، ان کے دکھ دیکھے، ان کو صبر کی تلقین کی اور جب اپنے اوپر آ پڑی تو کہا یہ کیسا خدا ہے میں نے بڑی دعائیں کیں، کوئی قبول نہیں ہوئی، میرا بچہ میرے سامنے سسکتا سسکتا مر گیا، اسی کو حادثہ درپیش آنا تھا، اسی کو یہ مشکل پیش آنی تھی، گویا ساری کائنات وہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ساری کائنات کے دکھ دیکھتا ہے اور اس کو خدا تعالیٰ پر کوئی شکوہ پیدا نہیں ہوتا۔ اپنا دکھ جس کے مقابل پر دوسرے دکھ بعض دفعہ سینکڑوں گنا زیادہ ہوتے ہیں، بعض قومی دکھ ہیں ساری قومیں ان دکھوں میں برباد کر دی جاتی ہیں اور ہر لمحہ آزمائی جاتی ہیں وہ دیکھتا ہے کہتا ہے او ہو بڑی بہادر قوم ہے، اپنے اوپر جب وہ دکھ پڑتا ہے تو سب باتیں بھلا کر خدا کا بھی ناشکرا ہو جاتا ہے۔

پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی عبادت اور توحید کی تعلیم دی وہاں فوری توجہ دلائی وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (البقرہ:84) کہ میرے حق تو ادا کرو، ضرور کرنے ہیں تم نے، اس کے بغیر تو تمہارا چارہ کچھ نہیں مگر یاد رکھنا والدین کے ساتھ بھی احسان کا سلوک کرنا اور پھر فرمایا کہ اگر وہ تم پر

زیادتی بھی کریں تو اف تک نہیں کہنی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں یہ رجحان ہے کہ ماں باپ کے باقی سب احسان بھلا کر کہیں زیادتی ہو تو اف کہہ بیٹھتے ہیں اور بعض ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ صرف اس جھگڑے میں کہ فلاں بیٹے کو تم نے زیادہ دے دیا یا فلاں بیٹی کو زیادہ دے دیا ہے ماں باپ سے باقاعدہ لڑائی مول لے بیٹھتے ہیں، قضاؤں میں پہنچ جاتے ہیں، وہ جھگڑے پیچھا ہی نہیں چھوڑتے پھر۔ کوئی اس بات کی حیا نہیں کرتے کہ احسان کا ذکر خدا نے فرمایا ہے، تم پر ماں باپ نے رحم کیا تھا، تم پر احسان کیا تھا، تم بھی اس رحم کے مقابل پر احسان کا سلوک کرو۔ عدل کا نہیں فرمایا اور اس میں بڑی حکمت ہے۔ عدل کا ذکر نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے ناانصافی سے پیش آؤ۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے جب ماں باپ کے معاملے میں کوئی زیادتی دیکھنی ہے تو عدل کے جھگڑے میں نہ پڑ جانا۔ یہ سوچنا کہ اللہ نے تمہیں احسان کی تعلیم دی ہے اور احسان عدل سے بالا ہے۔ احسان میں عدل کے بکھیڑوں میں نہیں انسان پڑتا بلکہ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کوئی زیادتی بھی کر دی ہے تو تم وسیع حوصلگی دکھاؤ، اس سے چشم پوشی کرو۔ پس اللہ تعالیٰ جب ہم سے ہمارے گناہوں کو نظر انداز کرنے کا سلوک فرماتا ہے تو یہ احسان کا سلوک ہے۔ اللہ جب بخشش کا سلوک فرماتا ہے تو احسان کا سلوک ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کے صبور ہے، سب سے زیادہ صبر دکھانے والا ہے یعنی بندے دکھ دیتے ہیں، احسانات کو بھلاتے ہیں اور بار بار خدا تعالیٰ کے لئے اگر وہ انسانی جذبات ہوں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں اذیت کا موجب بنتے ہیں حالانکہ اللہ کے لئے کوئی اذیت کا موجب نہیں بن سکتا۔ مگر ان کا عمل ایسا ہے گویا وہ خدا کو اذیت پہنچانے سے بھی باز نہیں آتے۔ ان پر اللہ کی نظر ہے، جانتا ہے کہ خالق اور مالک اور سب سے بڑے محسن سے اگر یہ سلوک ہے تو ماں باپ سے کیوں ایسا نہ کریں گے۔ پس فرمایا دیکھو والدین سے احسان ضرور کرنا اور ان باتوں میں بے وجہ ان سے جھگڑا نہ کیا کرنا بلکہ اف تک نہیں کہنی۔

یہی مضمون ہے جو جماعت میں بھی جاری ہوتا ہے اور اگر اس کو نہیں سمجھیں گے تو نظام جماعت میں رخنہ ڈالنے کا موجب بنیں گے کیونکہ وہ لوگ جو عام بڑی بڑی باتوں پہ صبر کر لیتے ہیں بعض دفعہ امیر کی طرف سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق ادا نہیں ہوا، تو سر اٹھا لیتے ہیں، بدتمیزی شروع کر دیتے ہیں، جھگڑے شروع کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں تم نے فلاں کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک کیا ہم سے

یہ کیا، ہمارا یہ حق تھا تم نے نظر انداز کیا ہے اور وہ دراصل ماں باپ کا جو وسیع تر مضمون ہے اس کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ امیر خدا کے نظام کا نمائندہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا ہے جو دنیا میں خدا کے نمائندہ ہیں کہ اگر تمہیں آنحضرت ﷺ کا ماں باپ سے زیادہ اقرباء سے زیادہ ادب نہیں ہے، اگر ان سے زیادہ تم ان سے محبت نہیں کرتے تو تمہیں پتا ہی نہیں ایمان کیا چیز ہے۔

پس ایک ماں باپ وہ ہیں جو دنیاوی رشتوں کے ماں باپ ہیں وہاں جب خدا تعالیٰ، احسان کی تعلیم دیتا ہے باوجود اس کے کہ ممکن ہے ان کے لئے یہ عام احتمال ہے کہ انہوں نے عدل کا دامن چھوڑ دیا ہو اولاد کے سلوک میں پھر بھی احسان فرمایا۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ جو خدا کے بعد سب سے بڑے محسن اعظم تھے ان کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ ماں باپ کیا چیز ہیں اگر تم نے ان سے بڑھ کر ان سے محبت نہ کی اور ان سے بڑھ کر ادب نہ کیا تو تمہیں پتہ ہی نہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نمائندگی میں جو امیر بنتا ہے، جو کسی ذمہ داری کو اٹھاتا ہے، اس کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی رنگ کا سلوک ہونا ضروری ہے۔ وہاں برابری کے جھگڑے نہیں ہوا کرتے وہاں احسان والا معاملہ کم سے کم ضروری ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی تعلق میں یہ فرمایا **ومن عصیٰ امیری فقد عصانی و من عصانی فقد عصی اللہ** (مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر: 3416) جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی ہے اس نے میری نافرمانی کی ہے، جس نے میری نافرمانی کی ہے اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے۔

اب اگر کوئی امیر اٹھ کر یہ کہہ دیتا کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ حکم ہے اس لئے میری بات مانو مجھ سے بھی حسن سلوک کرو تو لوگوں نے کہنا تھا بڑا بنا پھرتا ہے رسول اللہ۔ تمہاری کیا بات ہے، تمہاری حیثیت کیا ہے؟ کہاں تم کہاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ سید الاول والآخر ﷺ، آپ ؐ کا مقام کہاں، تو کس باغ کی مولی ہے۔ کیا بات کر رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور ان کے ادب کی تعلیم ہے میں بھی نمائندگی کر رہا ہوں اس لئے میرا بھی کرو۔ مگر وہ تو نہیں کہہ سکتا تھا محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے اور آپ ؐ نے اس مضمون کو جوڑ دیا ہے خدا کے ساتھ اور انکسار کا ایک عجیب مضمون ظاہر فرمایا ہے۔ فرمایا ہے اللہ نے جب میری اطاعت کا حکم دیا، اللہ نے جب مجھ سے پیار کا ارشاد فرمایا تو میری ذات تو کچھ بھی نہیں، وہی مضمون ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے، جس کی تلاوت میں پہلے کر چکا ہوں کہ احسان ہے جو چن لیا ہے مگر جب اللہ سے میں باندھا گیا تو پھر جو مجھ

سے کاٹا جائے گا وہ خدا سے کاٹا جائے گا اور جو امیر مجھ سے باندھا گیا ہے اس کی بھی خواہ کوئی بھی حیثیت نہ ہو جب وہ مجھ سے باندھا گیا تو اس سے باندھا گیا ہے جو خدا کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اگر تم نے ناانصافی کی اور ظلم کیا اور اگر بفرض محال اس نے تم سے غیر عادلانہ سلوک بھی کیا ہو پھر بھی تم نے احسان کا سلوک نہ کیا تو تمہیں تو یہ حکم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابل پر ادنیٰ تعلق والے ماں باپ سے بھی احسان کرو تو محمد رسول اللہ ﷺ کی نمائندگی میں جو شخص فرائض منصبی کو ادا کر رہا ہے اس کے سامنے باغیانہ سر اٹھانا اور بدتمیزی کا سلوک کرنا اور عدل کے بہانے بعض دفعہ نظام جماعت کے خیر کے نام پر ایسی حرکتیں کرنا ہرگز خدا کے ہاں مقبول نہیں ہو سکتیں۔ وہ لوگ سمجھتے نہیں دین کو، یہ اسی لئے فرمایا گیا ان کو ایمان کا پتا ہی نہیں۔ ایمان کے یہ سب تقاضے ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور یہ چیزیں صبر کے بغیر نصیب ہو نہیں سکتیں۔ ماں باپ کا حق بھی وہی ادا کرتے ہیں، ان کی زیادتی کو بھی وہی حوصلے سے برداشت کرتے ہیں اور پھر بھی اکرام کی بات اور احسان کی بات کرتے ہیں جن کو صبر نصیب ہو۔ بے صبروں کو تو کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پس نظام جماعت کا حق بھی وہی ادا کر سکتے ہیں جن کو صبر نصیب ہو اور صبر کے بغیر نظام جماعت قائم ہو ہی نہیں سکتا اور اب یہ بات ہے جس پر میں خصوصیت کے ساتھ آپ کی توجہ مرکوز کرانا چاہتا ہوں۔ جو اندرونی امتحانات میں اپنے پیاروں، اپنے عزیزوں، اپنے بڑوں کی طرف سے پہنچنے والے ایذا کو معاف نہیں کر سکتے، جو ان تکلیفوں پر صبر نہیں کرتے جو اپنے بڑوں سے ملی ہیں ان کو، خواہ وہ تکلیفیں فرضی ہی کیوں نہ ہوں ان کو دنیا میں کسی کے مقابل پر حقیقت میں ایذاء رسانی کے وقت صبر کی توفیق نہیں مل سکتی۔ اگر ملتی ہے تو محض ایک فرضی اور بے معنی قصہ ہے وہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے جو باریک راہوں کا امتحان تھا۔ اس لئے وہاں اگر کامیاب ہوئے ہیں تو اس کی کچھ اور مجبوریاں ہوں گی۔ بسا اوقات انسان اپنے خاندانی تعلقات کی وجہ سے، اپنے بچپن کے تعلقات یا رشتوں کی وجہ سے جس ماحول میں پرورش پائی ہے اس کے غلبے کی وجہ سے انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا اس لئے جب تک بس چلتا ہے وہ صبر دکھاتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کی بڑی قیمت دینی پڑتی ہے اور وہ قیمت دنیاوی رشتوں سے قطع تعلق، دنیاوی تعلقات سے قطع تعلق، احمدی ماحول سے پلا ہے اس کی دوستیاں، اس کے تعلقات، اس کی رشتے داریاں ساری احمدیوں میں ہیں، وہ بڑے بڑے بے حیا ہی ہوتے ہیں جو ان کے باوجود پھر الگ ہو جاتے

ہیں اور الگ وہی ہوتے ہیں جو دراصل ان رشتوں کو پہلے ہی دھتکار چکے ہوتے ہیں یا جن کو ان رشتوں نے دھتکار دیا ہوتا ہے اس لئے آپ ارتداد کی تاریخ دیکھ لیں کوئی بھی اچھا بھلا معقول آدمی جو رستا بستا ہو وہ مرتد نہیں ہوا کرتا۔ اکثر مرتد ہونے والے وہ ہیں جن پر نظام نے پہلے ہی کوئی پابندی لگائی ہو، جن کے رشتے داران کی بدتمیزیوں کی وجہ سے ان سے بدظن ہو چکے ہوں، آپس میں ان کے جھگڑے ہوں، لین دین کے معاملے میں وہ زیادتیاں کرتے رہے ہوں، اس کا ردعمل سخت دکھایا گیا ہو، ہمیشہ یہی لوگ ہیں جو ارتداد کا شکار ہوتے ہیں۔ مومن بننے والوں کے پس منظر میں یہ بات نہیں ہوتی۔ مومن بننے والے ایمان کی وجہ سے تعلقات سے کاٹے جاتے ہیں۔

پس یہ جوان کا صبر ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان کا صبر جن کے متعلق ہم یہ کہہ نہیں سکتے کہ اگر ان کے حالات ایسے ہوتے کہ اتنی بڑی قیمت نہ دینی پڑتی تب بھی یہ خدا سے وفا کے ساتھ وابستہ رہتے یہ جب تک آزمائش پڑ نہ جائے اور شاذ کے طور پر ایسی آزمائش پڑتی ہے، ان کے صبر کا کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ بظاہر امتحان میں پاس ہیں لیکن یہ بڑی راہوں میں پاس ہونے والے بعض دفعہ باریک راہوں پہ جا کے مارے جاتے ہیں اور وہی باریک راہیں ہیں جو میں آپ کو دکھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کہتے ہیں دشمن کے مقابل پر تو ہم سینہ سپر ہیں گولیاں کھائیں گے، جانیں قربان کریں گے مگر خدا کی نمائندگی میں کسی شخص سے جو مزاج کا محسن ہو، ہمیشہ اس نے حسن سلوک کیا ہو اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے، اس سے کوئی غفلت دیکھیں جو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، وہ سمجھیں کہ ہماری سبکی ہوگئی ہے، اس کے مقابل پر چھوکرے بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور سینے تان کے کہتے ہیں تم نے یہ کیوں کیا، تم ہمیں جواب دو یہ بات کیوں ہوئی یا وہ بات کیوں ہوئی۔ یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والی بات ہے اور صابر آدمی یہ نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے وہ یاد رکھے وہ اَلْمُتَوَكِّلُوْنَ کی فہرست سے کاٹ کے باہر پھینکا جاتا ہے۔ آئندہ کبھی اس کو خدا پر توکل کرنے کا حق نہیں ہوگا اور کبھی اس کی ضرورت پر خدا اس کے کام نہیں آئے گا۔ اس نے بے حیائی کی اور آزمائش کے وقت ناکام رہا اور بے وفائی کی اور محسنوں سے بدسلوکی کی کیونکہ خدا کی خاطر وہ امیر ہو یا غیر امیر ہو جو اپنے قیمتی وقت کو قربان کر کے خدا کی خدمت پر مامور ہے جبکہ وہ اپنے عیش وعشرت میں مبتلا رہتا ہے۔ کئی ایسے ان میں سے ہیں سر اٹھانے والے جن کو میں جانتا ہوں ان کی زندگی ویڈیوز میں جو عیش وعشرت کی ویڈیوز

دیکھنے اور ٹیلی ویژن کے پروگرام دیکھنے میں صرف ہو رہی ہوتی ہے دین کی خدمت کی توفیق نہیں ملتی۔ مالی قربانی کا کہا جائے تو ہزار نفس کے بہانے ان کو گھیر لیتے ہیں کہ دیکھو جی ہمیں خدا نے دیا ہے۔ یہ لوگ جوان کے نزدیک ادنیٰ اور معمولی آدمی ہیں کوئی خاص توفیق نہیں ہے چار آنے انہوں نے اگر دے دیئے تو کیا فرق پڑتا ہے اور ہمارے Jelous ہو گئے ہیں، ہم سے حاسد ہو گئے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ جب تک ہمارے مال پر ہاتھ نہ ڈال بیٹھیں اس وقت تک ان کی انا کی طلب پوری نہیں ہوگی اس لئے خدا کی خاطر نہیں کر رہے یہ ویسے ہی ہماری دولت سے جلتے ہیں۔ اس قسم کے مخفی خیالات ہیں میں جانتا ہوں کہ کھلم کھلا یہ خیالات ان کے دماغ میں نہیں آتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بصیرت بخشی ہے کہ میں انسانی فطرت کی باریکیوں تک اتر کر خدا کے عطا کردہ تقویٰ کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تقویٰ کی آنکھ سے اگر دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وعدہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پس کسی کو ذاتی طور پر ماہر نفسیات ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ تقویٰ کی آنکھ سے دیکھے گا تو اندر کے سارے حال روشن دکھائی دینے لگتے ہیں جیسے باہر کی چھاتی اور باہر کا سر درمیان سے غائب ہو گئے ہیں، دماغ کے خیالات پر نظر پڑ رہی ہے، چھاتی کے اندر ہونے والے جذبات پر نگاہ پڑ رہی ہے اس طرح صاف دکھائی دینے لگے ہیں، تو بیچ میں سے سوچتے ہیں کہ ہمیں تو خدا نے توفیق دی ہے اس لئے کہ ہم نے محنت سے کمایا ہے اور یہ شک کر رہے ہیں کہ ہم چندہ بچا رہے ہیں، یہ اعتبار نہیں کرتے کہ جو ہم دے رہے ہیں یہ اس کے مطابق ہے۔ ہم نے ان کے ڈر سے دینا ہے، اللہ کے تقویٰ سے ہم دینا ہے اور تقویٰ کی باتیں امیر کے منہ پہ مارتے ہیں جوان میں سب سے بڑا متقی ہوتا ہے، جس کی ساری زندگی اخلاص میں کٹی ہوتی ہے۔ بڑھ بڑھ کر اس کے سامنے باتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ انہوں نے اپنا انتقام لے لیا ہے نظام جماعت سے، ان غریبوں سے جن کو عہدے عطا ہوئے ان امیروں نے انتقام لے لیا جن کو عہدے نہیں ملے تھے جن کے تقویٰ کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی تھی۔ یہ ساری وہ باریک راہیں ہیں جن میں ناکام ہونے والے زندگی کے ہر امتحان میں ناکام ہو جائیں گے۔ ان کی زندگی بھی نامرادی کی ہوگی، ان کی موت بھی نامرادی کی ہوگی اور جماعت کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ماریشس نے بھی مجھ سے درخواست کی ہے کہ ان کے اجتماع کا اب اعلان کروں اور اسی

طرح ایک تو جماعت کا سالانہ جلسہ ہے پھر مجلس انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کے جلسے تنزانیہ میں ہو رہے ہیں پھر سپین کا گیارھواں جلسہ ہے۔ ان سب ممالک کو مخاطب کر کے میں خصوصیت سے یہ نصیحت کر رہا ہوں کہ اندرونی طور پر اس وقت ایک ہونے کا وقت ہے۔ دشمن اذیت پہنچائے گا مگر صبر میں ایک دوسرے کے ساتھ کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اللہ کا ساتھ ہو، مومنوں کا ساتھ ہو تو پھر صبر کا بڑا حوصلہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی بدتمیزیوں اور کم حوصلگی کی وجہ سے نظام جماعت میں رخنہ ڈال دیتے ہیں اور ان کے دیکھا دیکھی دوسرے سر بھی تکبر سے اٹھنے لگتے ہیں وہ ایسا گہرا نقصان پہنچاتے ہیں جماعت کو کہ اس کے نتیجے میں جماعت کی عمومی ترقی پر اثر پڑ جاتا ہے کیونکہ اندرونی جھگڑوں میں مبتلا لوگوں کی اجتماعی قوت غیر معمولی طور پر کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے نیک لوگ ہونے کے باوجود، اکثر بہت نیک ہونے کے باوجود، جہاں چند فسادی ایسی باتیں شروع کر دیں وہاں توجہات بٹ جاتی ہیں وہاں سے برکتیں اٹھ جاتی ہیں۔

بعض دفعہ نیکی کے نام پر امیر سے سوال ہوتے ہیں، مجلس عاملہ ہو رہی ہے فلاں پیسے کا کیا بنا؟ فلاں پیسے کا کیا بنا؟ اول تو وہ جو Tone ہے بدتمیزی کی ہے اگر شک ہے کہ امیر دیانت دار نہیں ہے تو تمہارا کام ہے کہ مجھے توجہ دلاؤ۔ امیر کو عزت کے ساتھ، احترام کے ساتھ جیسے شیشہ دیکھنے والے کو اپنی تصویر دکھاتا ہے، ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے نہیں، اس کو بتاؤ کہ مجھے ڈر ہے کہ اس قسم کے مالی حالات میں بعض لوگ بیمار طبیعتیں شک میں مبتلا ہوں گی ان کی اصلاح فرمائیے اور وضاحت کر دیں اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں اور اگر اس کے باوجود وہ تسلی نہ دلا سکے تو فرض ہے، صرف یہ شکایت نہیں رہے گی پھر یہ فریضہ ہے جماعت کی امانت کا کہ امیر کی معرفت آپ بالا افسران کو توجہ دلائیں کہ امیر کے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے مالی معاملات میں اگر شبہات بھی پیدا ہو جائیں تو جماعت کو نقصان پہنچے گا۔ یہ جائز ہے اس میں کوئی بدتمیزی نہیں ہے، کوئی بداخلاقی نہیں ہے۔ مگر اگر نشانہ بنایا جائے اس کو تضحیک کا خواہ الفاظ تضحیک کے نہ بھی استعمال کئے جائیں، عاملہ میں اس کا وقار برباد کر دیا جائے یا کھلی جماعت میں ایسے سوال کر کے اس پر شک کے سائے ڈالے جائیں جبکہ بسا اوقات اس وقت اس کو موقع ہی نہیں ہوتا کہ وہ تفصیل سے اپنا دفاع پیش کر سکے، نہ اس کے لئے مناسب ہے کیونکہ یہ ایک تحقیر کی بات ہے، تذلیل کا سلوک کیا ہے۔ اس کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ کہے کہ آپ کی بات جو

مجھے پہنچائی گئی ہے میں خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پہنچا دوں گا اور بتاؤں گا کہ مجھ پر یہ شک ہے اور میں مطالبہ کروں گا کہ میری تحقیق کروائی جائے اس سے بہتر جواب وہ کوئی نہیں دے سکتا۔ مگر وہ جماعت کے سامنے بار بار ہر الزام کی وضاحت کرنے کا نہ پابند ہے، نہ میں اس کو اجازت دوں گا کیونکہ اس سے امیر کا وقار اٹھ جائے گا۔ ہر دو کوڑی کا آدمی اٹھ کے لاکھوں کے الزام لگانے لگے گا اور بار بار اس قسم کی باتیں اگر جماعت میں ہوں تو جماعت کے اندر عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لئے امیر کی حمایت میں اسی طرح کروں گا جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے امراء کی حمایت کی تھی ایک ذرہ بھی میں کسی قسم کے خوف میں مبتلا نہیں ہوں گا لیکن جماعت کی حمایت بھی اسی طرح کروں گا جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے امراء کے مقابل پر ان کی حمایت کی ہے جن کی حق تلفی کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس لئے تمہیں خوف کیا ہے؟ اگر امیر کے ساتھ عزت کا سلوک کرو گے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر امیر کے متعلق یہ خطرہ محسوس کرتے ہو کہ اس نے تمہاری حق تلفی کی ہے تو اول تو احسان کا سلوک کرو جیسا قرآن نے حکم دیا ہے اور دوسرے تمہاری حق تلفی کا محافظ بھی خدا نے مجھے بنایا ہے جہاں تک مجھ میں طاقت ہے میں ہمیشہ یہی کرتا ہوں۔ کبھی میں نے کسی امیر کو اجازت نہیں دی کہ جماعت کے ساتھ بدسلوکی کرے یا اس کی حق تلفی کرے تو پھر آپ کو کیا خطرہ ہے۔ وہاں بدتمیزیاں کرنے کی بجائے، بجائے اس کے کہ اپنے ایمان کو ضائع کریں اور جماعت کے عمومی مفاد کو نقصان پہنچائیں اور صبر سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور صبر کے پھلوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں یہاں تک کہ خدا پر آپ کا توکل نہ رہے اور خدا آپ کا وکیل نہ رہے اس کے بدلے یہ سیدھی سادھی ایمان کی صاف راہیں ہیں یہ میں آپ کو دکھا رہا ہوں۔ ان سب جماعتوں کو میری یہی نصیحت ہے کہ ان پر عمل کریں۔

تنزانیہ کے متعلق اتنا ضرور کہوں گا آخر پر کہ تنزانیہ کی جماعت میں اللہ کے فضل سے وہ انقلاب برپا ہونا شروع ہو چکا ہے جس کے متعلق میں مشرقی افریقہ کو بار بار ہدایت دیتا رہا ہوں ابھی تک ماریشس سے اس انقلاب کی خوشبو نہیں آئی۔ مگر وہ جماعت، وہ ملک جہاں کبھی سال میں بھی دو تین سو سے زیادہ بیعتیں نہیں ہوتی تھیں۔ اب انہوں نے پوری ہدایت پر عمل کر کے کام جو شروع کیا ہے تو ہزار ہا بیعتیں پہلے مہینے ہی میں ہو چکی ہیں ان کی اور یہ سلسلہ بڑھ رہا ہے اور اس بہانے سے میں

باقی جماعتوں کو بھی تحریص کر رہا ہوں کہ اب وقت بہت تھوڑا ہے۔ دو مہینے تو گزر گئے ہیں اور ہم نے کام دگنے سے زیادہ کرنے ہیں اس لئے ان نیک جماعتوں کی مثال پر پھر یہی کہوں گا توکل کرتے ہوئے، صبر کے ساتھ اللہ پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھیں اللہ آپ کے توکل کو کبھی پھلوں سے محروم نہیں فرمائے گا بلکہ ہمیشہ جیسا کہ پہلے کرتا رہا ہے آپ کے توکل کو آپ کی توفیق آپ کی استطاعت سے بڑھ کر پھل لگائے گا۔ اللہ ہمیں ہمیشہ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین